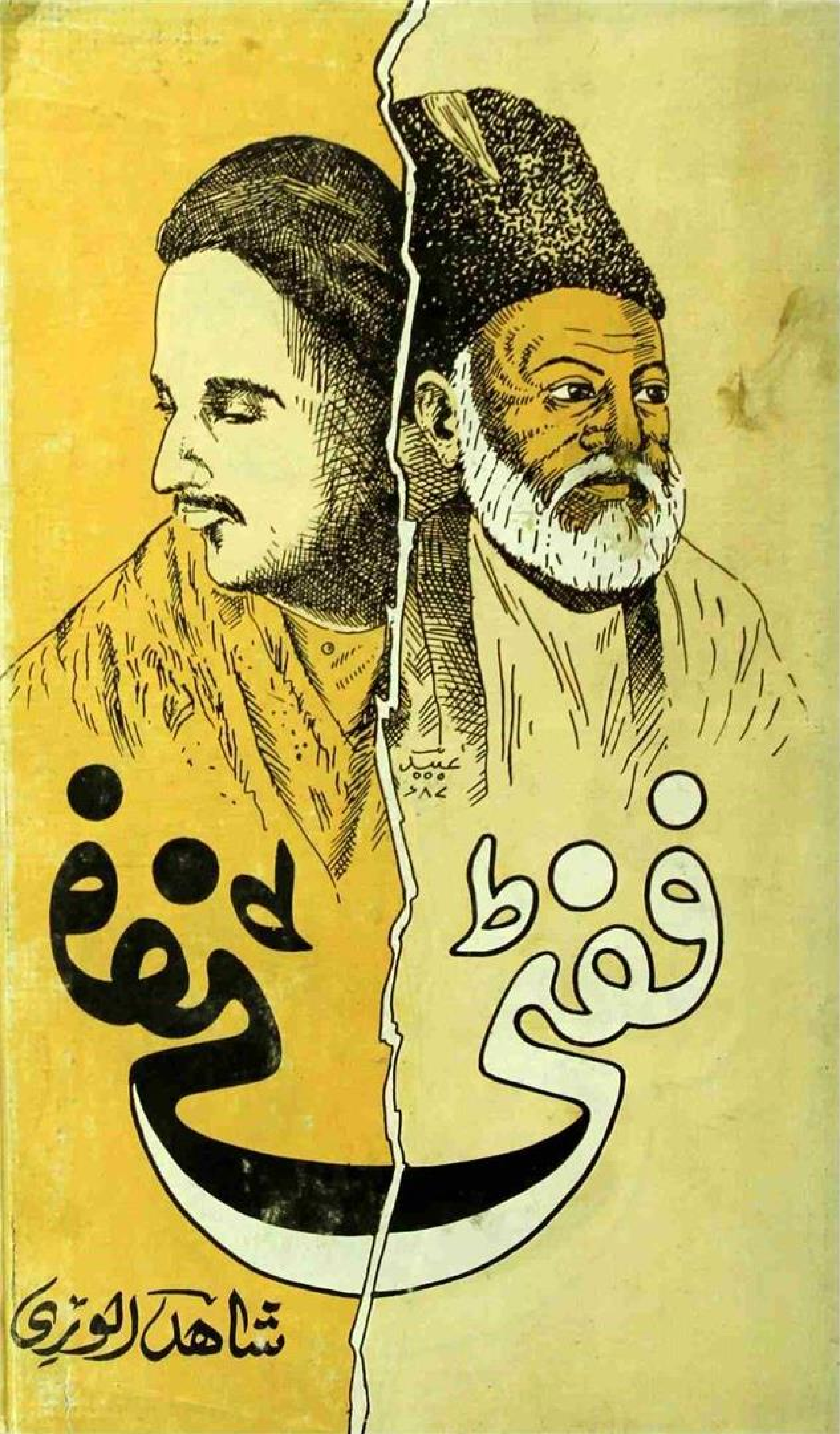
شاہد الوری

پیش کردہ
اندر کمار گجرال
سابق وزیر اعظم (ہند)

فِفٹی فِفٹی

میرزا غالب اور علامہ اقبال کے پچاس پچاس مصرعوں پر تضمین کا مجموعہ

شاہد الوری

نئی معنویّت

نصر اللہ خان۔ کراچی

آنکھوں سے کاجل چرانا مشکل کام ضرور ہے لیکن کسی بڑے شاعر کے شعر یا مصرع پر مزاحیہ انداز میں گرہ لگانا جان لیوا کام ہے۔ بعض تضمین نگار تو ایسی مہارت سے شعر یا مصرع لیے لے اُڑتے ہیں کہ جن شاعروں کے یہ شعر یا مصرع ہوتے ہیں اُنہیں بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ بھائی! یہ اب ہمارے کام کے نہیں رہے۔ انہی کو لے جاؤ: ع سپردم بتو مایۂ خویش را

شاہد الوری کا شمار اُن گنے چنے تضمین نگاروں میں ہے جو اپنی مشاقی اور مہارت سے دوسروں کی چیزوں کو اپنا کر لینے کا ہُنر جانتے ہیں اور میرے خیال میں شاہد الوری کی یہ ہُنرمندی ایسی نرالی ہے کہ کوئی اُن کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ "تضمین کا ایک رشتہ طنز و مزاح سے بھی ہے۔ اگر اس صنف میں احتیاط سے کام نہ لیا جائے تو تضمین نگار خود اپنے ہی تیر سے گھائل ہو جاتا ہے۔ اور بقول منظر امکانی" وہ شاعر جس شاعر کی تضمین کرتا ہے اُسے بھی لے ڈوبتا ہے۔"

شاہد الوری کے اِس مجموعے میں آپ دیکھیں گے کہ اُنہوں نے نہایت پھونک پھونک کر قدم رکھا ہے۔ اُن کے ہاں فن اور طنز و مزاح کی نئی معنویت دکھائی دیتی ہے۔ وہ نئے نئے زاویے سے سوچتے ہیں اور تضمین کرتے ہوئے وہ کسی کو نہیں بخشتے، خواہ وہ کسی بھی دُنیاوی حیثیت کے مالک ہوں۔

شاہد الوری نے جو مصرعے تضمین کیے ہیں وہ اُن کی اپنی جاگیر بن گئے ہیں۔ شاعری کرنا آسان ہے لیکن تضمین کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ شاہد الوری نے اس مشکل کام کو جس سلیقے سے آسان اور مفید بنایا ہے یہ اُن کا کمال ہے۔

خوشگوار فریضہ

پروفیسر ڈاکٹر شوکت واسطی۔ پشاور

گرہ کشائی فن سہی مگر گرہ بندی کے لیے بھی ہُنر درکار ہے۔ یہ محض پیوند کاری نہیں، بلکہ شگوفہ گری ہے۔ تضمین کا معلوم انداز تو یہی ہے کہ کسی اُستاد سے یوں استفادہ ہو کہ اُس کے زبان زد مصرع کو نفاست سے اپنا کر داد حاصل کی جائے۔ اِس سعی میں اصل کے مزاج اور لہجے کو بدستور قائم رکھا جاتا ہے۔ البتہ مزاح گو شعرا نے اِس اُسلوب کے ساتھ شگفتہ تجربے کیے اور اِنہیں ذو معنی بنا دیا۔ شاہد الوری صاحب نے اپنے نکتے، نکتہ ور شعرا، غالب و اقبال کے بیشتر مشہور مصرعوں سے پیدا کرنے کی دلچسپ اور کامیاب سعی کی ہے۔ اُنہوں نے کمال چابکدستی سے ان پر تین تین مصرعے پیوست کرکے مزاح اور مقصد کو یکجا کیا ہے۔ بے مقصد مزاح کو تضیع اوقات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اِس وقت فنکار کو یہ گوارا نہ ہونا چاہیے۔ ہمارا ملک اور معاشرہ بد ترین مصائب و مسائل سے دوچار ہے۔ اِس حد تک کہ سنجیدہ پند و نصیحت پر کان دھرنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ ضرورت ہے کہ چٹکی لے کر خوابِ غفلت سے چونکایا جائے، ہلکی سی چٹکی، ذرا سا چھینٹا ——— شاہد الوری نے یہی خوشگوار فریضہ "قفطی قفطی" میں انجام دیا ہے! اُنہوں نے عمدہ طریقے سے "لطفِ شعری کے ساتھ مرکز گریز رجحانات، رشوت، کثرتِ آبادی، اسمگلنگ، منشیات، محاشی ایسے سنگین ملکی اور معاشرتی مسائل کی نشاندہی کی ہے" اور وہ بھی غالب اور اقبال کے مشہور مصرعوں پر ہُنرمندی سے تضمین کے ذریعے ——— جو بہت قابلِ داد ہے۔ میں اِس کاوش پر اُنہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔

روشن دلیل

منظر امکانی۔ کراچی

ڈاکٹر شاہد الوری صاحب میں یوں تو اَن گنت خوبیاں موجود ہیں لیکن ان کی حوصلہ مندی میرے خیال میں نمایاں بھی ہے اور غالب بھی۔ یہ حوصلہ مندی ان میں خود آگاہی سے برسرِ پیکار ہو کر پیدا ہوتی ہے لہٰذا وہ ادب اور زندگی میں کہیں بھی افسردہ اور بدحال دکھائی نہیں دیتے بلکہ میں اپنی نیاز مندی کے سبب ان کی نت نئی کامیابیوں کو فتوحات کہہ دیتا ہوں۔ ان کا تازہ شعری مجموعہ "قفطی قفطی" اس کی روشن دلیل ہے۔ مرزا غالب کے بعد علامہ اقبال سے ان کا مکالمہ شاہد صاحب کا کارنامہ ہے۔ وہ بلاشبہ ایک کامیاب اور بڑے تضمین نگار ہیں۔

کہتا ہوں سچ کہ......

شاہد الوری

۱۹۶۵ء کے اوائل کی بات ہے کہ محترم شکیل شمسی کے دولت کدے پر منعقدہ ایک شعری نشست سے واپسی پر کار میں میرے ساتھ محترم راغب مرادآبادی، محترم شبنم رومانی اور محترم شاعر لکھنوی تشریف رکھتے تھے۔ نشست کی کامیاب نظامت اور تضمینی قطعات پر شاعر صاحب نے مجھے کافی داد دی اور فرمایا: "شاہد میاں! اگر غالب کے مصرعوں پر سنجیدہ قطعات کہنے کے بجائے طنزیہ مزاحیہ قطعات لکھو تو ادب میں یہ ایک نئی چیز ہوگی۔" اس گفتگو کی تائید راغب صاحب اور شبنم صاحب نے بھی کی مگر میں خاموش رہا۔

اسی سال ظریف جبلپوری رحلت فرما گئے۔ ان کی رحلت سے چند ماہ قبل ظریف لکھنوی اور حضرت دو ہفتے پہلے ظریف دہلوی بھی انتقال فرما چکے تھے۔ سید محمد جعفری ان دنوں ایران میں تھے، سید ضمیر جعفری راولپنڈی، مرزا محمود سرحدی پشاور، پیرزادہ جبلپوری سکھر، ادیب شاہ اجمیری ٹنڈو آدم، سیف سلطان پوری میر پور خاص اور حیدرآباد میں پروفیسر عظیم عباسی نیز ناظر لوگی تھے۔ کراچی کے اسٹیج پر طنز و مزاح کے پھول بکھیرنے والا کوئی نہ تھا۔ یوں مسٹر دہلوی اور ڈاکٹر انعام احسن حریف موجود تھے مگر ڈاکٹر صاحب مشاعروں میں بہت کم شرکت فرمایا کرتے تھے جبکہ مسٹر دہلوی اپنی کاروباری مصروفیات کے باعث مشاعروں میں شرکت سے کم و بیش قاصر تھے۔ ان حالات کے پیش نظر محترم راغب مرادآبادی اور محترم شبنم رومانی نے ایک مرتبہ پھر مجھے طنز و مزاح کی طرف آنے پر زور دیا۔ میں ابھی کشمکش میں تھا کہ ڈھاکہ میں میرے تایا مولوی شیخ اسحٰق جلیبگ کا انتقال ہو گیا۔ میرے تایا زاد بھائی محمد حسینی نے مجھے بزمِ شیخ اسحٰق ڈھاکہ کی طرف سے پاکستان شاخ کا کنوینر مقرر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ میں تایا کے مشن کو آگے بڑھاؤں۔ واضح رہے کہ مولوی شیخ اسحٰق جلیبگ طنز و مزاح کے بہت اچھے شاعر تھے۔ ان حالات میں میرے لیے راہِ فرار مسدود ہو گئی اور میں نے راغب اور شبنم صاحبان کا مشورہ قبول کرتے ہوئے پہلی طنزیہ مزاحیہ غزل بیگم زاہدہ خلیق الزماں کے یہاں پڑھی جو از مطلع تا مقطع بہت پسند کی گئی۔ اس غزل کا ایک شعر ہے:

کمر میری چالیس انچ تک پہنچی　　　　یہ تو کمرہ ہوا، کمر نہ ہوئی

بے حد کامیاب رہا۔ اس کامیابی نے مجھے حوصلہ بخشا۔ مزاحیہ غزلوں کے ساتھ ساتھ میں نے غالب کے مصرعوں پر طنزیہ اور مزاحیہ تضمینی قطعات بھی لکھنے شروع کر دیے جو بھی بہت کامیاب ثابت ہوئے۔

۱۹۶۶ء میں ڈھاکہ میں "بزمِ اقبال" کا قیام عمل میں آیا جس کے کرتا دھرتا کیپٹن خورشید احمد باجوہ تھے۔

انہوں نے بھی مجھے مغربی پاکستان میں اپنی بزم کا ناظم نشر و اشاعت مقرر کر دیا۔ اپریل ۱۹۶۷ء میں یوم اقبال کے موقع پر مغربی پاکستان کے شعراء کے ساتھ ڈھاکہ پہنچا۔ شام کی چائے پر کیپٹن خورشید صاحب نے اقبال کے مصرعوں پر تضمین کی فرمائش کر دی۔ میں نے اب تک صرف غالب ہی کے مصرعوں پر طبع آزمائی کی تھی۔ یوں بھی اقبال بہت مشکل شاعر ہیں۔ بہرحال کوشش کر کے اقبال کے دو مصرعوں "بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے" اور "سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا" پر تضمین کر ڈالی۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ دونوں قطعات بھی بہت پسند کیے گئے۔ اس کے بعد میں نے غالب کے ساتھ ساتھ اقبال کے مصرعوں پر بھی تضمین شروع کی۔ اب تک میں غالب کے تقریباً تین سو اور اقبال کے ایک سو مصرعے اپنے قطعات میں کھپا چکا ہوں۔

تضمین کی ان کوششوں پر مجھے پورے برصغیر پاک و ہند سے زبردست داد ملی ہے جس سے میری بڑی ہمت افزائی ہوئی۔ میری ہمت بندھانے والوں میں میرے پیر بھائی ریئر ایڈمرل محمد اسحاق ارشد، محترم مظفر احمد ضیاء، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، محترم ایس ایم جعفری، محترم شیخ محمد عثمان کشتی والا، محترم خالد شمس الحسن، محترم سید علی امام اور سابق مشرقی پاکستان کے دوستوں میں محترم سید محمود حسن، کیپٹن خورشید احمد باجوہ اور محترم قاضی واعظ الرحمٰن پیش پیش رہے ہیں اور مجھے اعتراف ہے کہ میری کتابوں کی اشاعت میں محترم الحاج سیٹھ حبیب احمد، محترم سید ناصر حسین زیدی شہرت لکھنوی جو آجکل نصیر زیدی کے نام سے معروف ہیں، محترم جمیل صدیقی، محترم مظفر احمد مجیب، محترم محمد محمود احمد اکبرآبادی، محترم سید اقبال حسین، محترم محمود الحسن خلف الرشید مشتاق مبارک مرحوم، محترم سید آفتاب زیدی، محترم سیف الرحمٰن گرامی، محترم اظہر عباس ہاشمی، محترم مبین احمد، محترم خلیل یوسف صدیقی، محترم منیر احمد، محترم سید قمر علی، محترم حسن عباس شمیم، محترم رضی صدیقی، محترم علی اظہر زیدی، محترم صاحبزادہ سید مسعود حسین چشتی، محترم علی حسن، محترم قمر احمد صدیقی، محترم خورشید انور، محترم سلیم الدین صدیقی، محترم عبدالحفیظ باحلیم، محترم حسن رضا، محترم محبوب خان غوری، محترم الحاج محمد محسن، محترم ایم۔ اے۔ چشتی، محترم ایم۔ اے۔ نجمی، محترم سعید الرحمٰن قریشی شیدا الوری، محترم سید فخر الحسن، محترم فصیح الدین قریشی، محترم این اے داڈی والا، محترم محمد سلیمان، محترم خلیل احمد مرسانی، محترم طارق امین، محترم جاوید وارثی، محترم خالد اظہر، محترم اختر حسین، محترم لائق علی لائق اور محترم پروفیسر نجم انصاری کی کاوشیں بھی شامل ہیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

میری پہلی کتاب "سخن در سخن" تضمین (قطعات) پر مشتمل تھی جس کے اب تک تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دوسری کتاب "حمد و ثنا" کے بھی دو ایڈیشن فروخت ہو چکے ہیں۔ تیسری کتاب "چراغ سے چراغ" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا چاہتا ہے۔ اب موجودہ کتاب "نفطی نفطی" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اور اس کے متعلق اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کیجئے۔ میں اس عنایت کے لئے آپ کا ہمیشہ ممنون رہوں گا۔

قطعات

شاہد الوری

تار پڑھ کر کہ ہوئے خیر سے جڑواں بچے
بیقراری کی طرح موجِ قرار آئی ہے
ایک صاحب نے یہ لندن سے لکھا بیگم کو
"ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے"

چاند پر جا کے اُنہوں نے تو عَلم گاڑ دیا
اور سُوئے چرخ غبارے بھی نہ چھوڑے ہم نے
بیٹھے اِس مِصرعِ اقبال کو دُہراتے رہے
"بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے"

میک اپ سے اُن کے کھا ہی گیا دِل مرا فریب
اب آپ ہی بتائیے، کہوں کیا نظر کو میں
دیکھا قریب سے تو وہ پچپن برس کی تھیں
"حیراں ہوں دِل کو روؤں، کہ پیٹوں جگر کو میں"

رشوت، شراب خوری، اسمگلنگ اور چوری
وابستہ ہے انہی سے آرامِ جاں ہمارا
رستے پہ آنے والے اے آسماں نہیں ہم
"سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا"

باوجودِ احتیاط وکوششِ بیگانگی
چند کلیاں اور بھی زیبِ گلستاں ہوگئیں
کثرتِ اولاد کا شاکی بہت ممنون ہوں
"مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں"

آشناؤں سے وہ رکھتی ہے قریبی رِشتے
ہے کزن کوئی، سہیلی کا کوئی بھائی ہے
پرلے درجے کی ہے ہرجائی ہماری پی۔ اے
"کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے"

پنہاں سیاہ چشمے کے پردے میں تھا یہ راز
تھی اپنی بھیگی آنکھوں کو فیشن سے وہ چھپائے
چشمہ اُتار کر جو نظر کی مری طرف
"اِک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے"

حکومت نے بہت چاہا کہ اسمگلر کو وہ دھر لے
مگر جو اصل اسمگلر تھے، وہ عیّار تر نکلے
دُعا دیتے ہیں کسٹم افسروں کو، جن سے اسمگلر
"اِدھر ڈوبے اُدھر نِکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے"

فرمائشیں ہیں نِت نئی، ہر روز ہائے ہائے
دَم ناک میں ہے مُنّے کی امّاں کیے ہوئے
جی چاہتا ہے اب کسی مسجد میں جا کے ہم
"بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کیے ہوئے"

کہہ رہا تھا قبر پر بیٹا بچشمِ اشکبار
راہ میت ، میری بھی ، پیدا حق یہ آسانی کرے
میرے ابّا تُونے رِشوت سے کراتے سَب کو عیش
"آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے"

کوچۂ جاناں سے پٹ کر آ گئے
سر، سرِ بازار اب سہلائیں کیا
پوچھتے ہیں ہم سے لوگ انجامِ عشق
"کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا"

قیمت ۲۰

پیرس میں اپنے، لیے سینکڑوں اعجاز آئی
ہر طرف شور اٹھا "وہ بتِ طنّاز آئی"
اس نے چادر جو لپیٹی، تو یہ آواز آئی
"بے حجابانہ سرِ محفلِ ما باز آئی"

ایک مِس، ایک مِسز، دونوں کا حال اچھّا ہے
مُفت ہاتھ آئے جو اپنے وہی مال اچھّا ہے
ہم کو معلوم ہے دونوں کی حقیقت لیکن
"دِل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھّا ہے"

نہ پکڑ دھکڑ کا خطرہ، نہ ضمانتیں، نہ تھانہ
یہ جوئے کا کام ہم بھی سرِ عام کر رہے ہیں
جو نہ تُو پولیس میں ہوتا، مِرا کام کیسے چلتا
"تری بندہ پروری سے مرے دِن گزر رہے ہیں"

میرے ہونٹوں پہ لپ اِسٹک کا نشاں ہے ایسا
عیب یہ اپنا چھُپاؤں تو چھُپائے نہ بنے
کیا کروں، سُنتی نہیں کوئی بہانہ بیگم
"کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے"

کیا خبر مجھ کو کہ کیا جائز و ناجائز ہے
اَن سُنی کر دوں ہر اک بات، گراں گوش رہوں
مال پر نفع نہ لوں، خوب کہا آپ نے بھی
"کیوں زیاں کار بنوں، سُود فراموش رہوں"

کس سے میں کثرتِ اولاد کا رونا روؤں
وقت اوروں کو نہ دے میری سزا میرے بعد
میں ہوں ڈوبا ہوا اس فکر میں اب تک شاہد
"کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد"

حسد کیا، رشک کیا، جب ہو تجھے فٹ پاتھ پر رہنا
گزر ہوتی ہے پیارے، اہلِ زر ہی کی مکانوں میں
حکومت نے اگر جھگّی گرا دی ہے تو کیا پروا
"تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر"

رشوت سے گھر بھی بن گیا اور حج بھی کر لیا
سب کام غیب سے تہہِ افلاک ہو گئے
بعدِ طواف، غسل بھی زم زم سے کر لیا
"دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے"

دوستوں سے نہ ہُوا جو، وہ رقیبوں نے کیا

اثر اُلٹا ہُوا، محبوب پہ سمجھانے سے

بن گیا کام مرا، غیر کی قسمت پُھوٹی

"پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے"

کوئی دنگا نہ ہوا، شور شرابا نہ ہوا
جیسا چاہا تھا، تری بزم میں ویسا نہ ہوا
ہم نے سوچا تھا کہ ہو جائیں گے دو چار تو ڈھیر
”دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا“

۳۰

زبانِ حال سے اِک کُشتۂ ہیروئن کا کہتا تھا
ارے او جانے والو! سُنتے جاؤ داستاں میری
میں زندہ لاش ہوں، صُورت ہے میری موت کی صورت
"خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری"

عشقِ بُتاں میں اپنی حجامت بنی ہے خوب
اب ڈس رہے ہیں دل کو، وہ پیماں کیے ہوئے
موٹر بِکی، مکان گیا، نوکری چُھٹی
"بیٹھے ہیں خُود کو بے سر و ساماں کیے ہوئے"

ہند سے ہم نے کراچی میں قدم جب رکھا
ہو گیا ذہن نشیں، خود ہی مساوات کا راز
اپنے اسٹینڈ پہ بس تو ابھی آئی بھی نہ تھی
"ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز"

تمنّا اِزدواجی زِندگی کی ہوگئی پُوری
توقع سے زیادہ راستے میں پیچ و خم نکلے
وہ دس بچوں کی امّاں نو برس میں ہوگئیں شاھد
"بہت نِکلے مِرے اَرمان لیکن پھر بھی کم نِکلے"

کالا جو دھن ہے اُس سے بنا آٹھ دس فلیٹ
بنگلے میں رکھ رکھاؤ سے رہ اور کار رکھ
ہاں، ہیروئن فروش سے رِشتہ نہ ٹوٹے جائے
"پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ"

اِک دشتِ بے اماں کو سمجھتا تھا گُلستاں
اب پھر رہا ہوں ڈھونڈتا۔ دیوار و در کو میں
اُس شوخ کا مکان بھی گھر ہے رقیب کا
"یہ جانتا اگر تو لُٹاتا نہ گھر کو میں"

اُوپری یافت ہوتی بند تو ایکا ایکی
سُسر اور ساس گئیں، سالیاں سالے بھی گئے
ہم کو فٹ پاتھ پہ دیکھا تو کہا لوگوں نے
"تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے"

ایک چور بازاری ، اِک ذخیرہ اندوزی
بس یہ فضلِ ربیؐ سے شغل ہے یہاں اپنا
ہم کہاں کے افسر ہیں ، کون سے سُخنور ہیں
"بے سبب ہُوا غالب دُشمن آسماں اپنا"

غیر تو غیر تھے، یاروں سے اکڑ جاتے تھے
راہ چلتوں سے بھی بے بات بگڑ جاتے تھے
وہ بھی کیا دن تھے کہ ہر زہرہ جبیں کی خاطر
"تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے"

جن کے بچوں کی ہو گھر میں ایک ٹیم
چین میں ہیں مستحقِ انعام کے
کثرتِ اولاد نے مارا ہمیں
"ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے"

سُست گامی سے نہ رشتے کبھی جوڑے ہم نے
رُخ بھی چڑھتے ہوئے دریاؤں کے موڑے ہم نے
مگر اِس مصرعِ اقبال پہ اب تکیہ ہے
"دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے"

پہلے بھی درد میرے دل میں ہوا کرتا تھا

مگر اس بار بہت ہوش رُبا ہوتا ہے

ایسا جوڑو کا دیا ہاتھ جما کر اُس نے

"آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے"

ہم سے دیکھی نہیں جاتی یہ رقیبوں کی قطار
کوئی عطّار ہے اِن میں، کوئی حلوائی ہے
میرے شکوے پہ وہ بولی کہ وہ کل ساتھ تھے کون؟
"بات کہنے کی نہیں تُو بھی تو ہرجائی ہے"

کہا بیوی نے شوہر سے کہ تم بُڈھو میاں کیوں ہو
کہا بیوی نے شوہر سے کہ تم قانون داں کیوں ہو
وہ بولیں "میں تمہاری دوست ہوں" اس پہ وہ یہ بولے
"ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو"

یوں تو ہر ایک بجٹ کے ہیں نرالے انداز
دیکھا اِس سال مگر اور ہی اس کا اعجاز
ہو گئے سب ہی تہہِ تیغ ، امیر اور غریب
"نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز"

کثرتِ اولاد سے تو ناک میں دم آ گیا
اور وہ کہتے ہیں مجبورِ فغاں کوئی نہ ہو
اب مکاں میں کوئی گنجائش، نہ کھانے کو اناج
"رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو"

شفیقہ

کار بیچی، قُرق کوٹھی ہو گئی، سروس گئی

نازنین کے گھر میں جا پہنچا ہے میرے گھر کا دھن

اُس کی یہ دیدہ دلیری دیکھیے، کہتی ہے اب

"تُو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن"

جانِ جاں! تجھ سے یہ اُمیّد نہیں تھی مجھ کو
کُھل ہی کھیلے گا، مرے خاک بسر ہونے تک
پوسٹ ڈیٹڈ جو کیا وصل کا وعدہ تو نے
"کون جیتا ہے تری زُلف کے سر ہونے تک"

فقط اولاد کی حسرت ہے، عرضِ مُدّعا کیا ہے
شکایت پر شکایت ہے، یہ آخر ماجرا کیا ہے
کہا بیوی نے شوہر سے، خودی اتنی تو پیدا کر
"خُدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"

کیا خوب اُس سے عقد کا مُجھ کو صِلہ مِلا
پگڑی کو اب بناؤں کہ سہلاؤں سر کو میں
بے بھاؤ کی جو پڑتی ہیں، چاروں طرف سے آج
"ہر اِک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں"

یہ بلوچی ہے، وہ سندھی ہے، یہ پنجابی ہے
ہائے کیا فرقہ پرستی کی یہ سوغاتیں ہیں
تم نے سوچا ہے کبھی میرے وطن کے لوگو
"کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں"

فون کرتی ہیں وہ ہر روز، بتاتی نہیں نام
اور کہتی ہیں کہ اے جانِ تمنّا کہیئے
یوں تو ہیں عشق و محبّت کی ہزاروں قسمیں
"ناطقہ سر بگریباں ہے اِسے کیا کہیئے"

تیری تخلیق میں احباب بھی' اغیار بھی ہیں
تیرے گلشن میں گلِ تازہ بھی ہیں' خار بھی ہیں
ہیں ترے نام پہ مرنے کو ہزاروں تیّار
"سینکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں"

تیرا اشاھد نے کیا بگاڑا ہے
تجھ پہ، بچّوں کی ماں، خدا کی مار
سال کے سال گُل کھلاتی ہے
"وقِنا ربّنا عذاب النّار"

مجھ کو گا گا کے سُناتے تھے کبھی میری غزل
خَلوتیِ خاص تمہارا یہی شیدائی تھا
تم نے چھوڑا، تو ملیں زُہرہ و عذرا، ورنہ
"کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا"

تھک گیا پاؤں داب داب کے میں
پھر بھی وہ راہ پر نہیں آتی
اور پھر پوچھتی ہے اِٹھلا کر
"نیند کیوں رات بھر نہیں آتی"

اپنے شوہر پہ جو پِل پڑتی ہوں چمٹا لے کر
کبھی وِٹّے پاٹے اُٹھا کر، کبھی ڈونگا لے کر
بیویاں ایسی مقدّر سے مِلا کرتی ہیں
"اب اُنہیں ڈھونڈھ چراغِ رُخِ زیبا لے کر"

شکر ملتی نہیں، سو بڑھ گئیں ہیں تلخیاں اپنی
ہماری تلخیوں پر کوئی افسر سرگراں کیوں ہو
اگر چینی کے پرمٹ کے لئے رشوت ضروری ہے
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو"

اِدھر بیوی کے دعوے ہیں، اُدھر حوروں کے وعدے ہیں

ہے کیسی مشکلوں میں تیرا ہر بندہ خُداوندا

مَفر کب عورتوں سے ہے، وہ دُنیا ہو کہ عُقبیٰ ہو

"تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دُنیا نہ وہ دُنیا"

گولے کہیں چلے ، تو کہیں گولیاں چلیں
کرفیو سے یوں تو کوئی شکایت نہیں مجھے
کرفیو ہے "فیملی کی پلاننگ" کے خلاف
"کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے"

تھی کبھی شہرِ نگاراں میں ہمی سے رونق
ہم نے فرزانگی سکھلائی تھی دیوانوں کو
اب حسینائیں چچا کہہ کے بلاتی ہیں ہمیں
”بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو“

میں کسی اور پہ مرتا ہوں غلط ہے بیگم
میکے والے سبھی دُشمن کا کہا کرتے ہیں
تم مری لاش کو دیکھو، کبھی انکی نہ سُنو
"ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں"

افیون بھی مل جاتی ہے ڈھونڈے سے حرم میں بھی
واللہ کسی رنگ میں اب بھنگ نہیں ہے
پیسہ ہے اگر پاس تو سب کچھ ہے ترے پاس
"اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے"

فرمائشیں تو اُن کی ہیں باقی ابھی بہت
کہتا ہے کون؟ قرض کی حاجت نہیں مجھے
شاپنگ کا وہ حکم کرے اور کروں میں دیر
"یہ تاب، یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے"

جو حق ہے، اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دو
اور مکر کو تم پھولنے پھلنے کی دُعا دو
اِک صاحبِ دولت نے کہا، سونے سے پہلے
"اُٹھّو مِری دُنیا کے غریبوں کو جگا دو"

وہ اِس خیال سے، ہم کو کوئی گِلہ تو نہیں
نظر چُرائے ہماری نظر کو دیکھتے ہیں
ہم اِس خیال سے، اب گھر میں کیا رہا باقی
"کبھی اُنہیں تو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں"

۶۶

بَاز آ ظُلم سے، شیرو سے کہا تھا سب نے
ہم تو کیا؟ تجھ پہ تو قدرت بھی نظر رکھتی ہے
جیل پہنچے تو کہا پیٹ کے سَر شیرو نے
"دِل سے جو بَات نِکلتی ہے اَثر رکھتی ہے"

سال کے سال اِک نیا ماڈل
سوچتا ہوں یہ سِلسلہ کیا ہے
اِس ضعیفی میں یہ حساب کتاب
"یا الٰہی ! یہ ماجرا کیا ہے"

پاکٹ کترنے والے نے، شاگرد سے کہا
چھوٹا سا یہ بلیڈ ہے اِک تیغِ بے نیام
جو اِتّفاق سے کوئی دَھر لے تجھے، تو پھر
"یہ زورِ دستِ وضربتِ کاری کا ہے مقام"

وعدے وعید کر کے مکرتے ہو کس لیے
جو "ڈان" میں چھپا ہے وہ کس کا بیان ہے
بولو نہ اتنا جھوٹ کہ ہم سیخ پہ آ نہ جائیں
"بس چپ رہو، ہمارے بھی منہ میں زبان ہے"

دیکھتے ہی اِک نظر، ہم جس پہ عاشق ہو گئے
اِک حسینہ ایسی بھی الور کے اِک گاؤں میں تھی
کب ہمیں مغرب کی عُریاں نازنینوں میں ملی
"بات جو ہندوستاں کی ماہ سیماؤں میں تھی"

رات دن خون کے آنسو ہمیں رلواتا ہے
اپنے محبوب کی نظروں میں چھپا ہو جانا
سارے آنسو ہوتے آہوں میں ہماری تحلیل
"باور آیا ہمیں، پانی کا ہوا ہو جانا"

تیرے نزدیک ہیں اِتنے کہ بہت دور ہیں ہم
ایسے دَم سادھ کے بیٹھے ہیں کہ معذور ہیں ہم
ایک گھنٹے سے ہے تُو غیر سے مَصروفِ کلام
"قصّۂ درد سُناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم"

اُن کی گُڈ بُک میں نام لکھوا لو
شیخ نے کیا ہی خوب سوچا ہے
مِل ہی جائے گی سیٹ سینیٹ کی
"مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے"

زِچ ہو گیا، اِنسان کی چالوں سے بالآخر
مانا کوئی شیطان سے بڑھ کر نہیں چالاک
لیکن اُسے لیڈر جو نظر آئے تو بولا
"اب میری ضرورت نہیں باقی تہِ افلاک"

وہ کہاں رکھتی ہے اپنا در کھلا
یعنی کھلنا تھا نہ گھر ہم پر کھلا
رات بھر ہم کھٹکھٹاتے ہی رہے
"صبح دم دروازہ خاور کھلا"

خرد کی پارسائی، چاک دامانی بھی عیّاری

بُتوں کا پیار بھی دھوکا، مُسلمانی بھی عیّاری

زمانے کو "بڑی سرکار" پر کیسے یقیں آئے

"کہ درویشی بھی عیاری ہے سُلطانی بھی عیّاری"

تم آخر چھڑکتے ہو کیوں جان اُسی پر
مُحلّے میں کچھ لڑکیاں اور بھی ہیں
ہُوا کیا جو ماں باپ نے اُس کے "بیٹا
ابھی عِشق کے اِمتحاں اور بھی ہیں"

اوج پر پھر ہے چور بازاری
میرے لب پر ہے "زندہ باد عوام"
کار اور بار سے ہے کاروبار
"پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام"

دلِ جواں ہو اگر ضعیفی میں
ایسے عالم میں کیا کرے کوئی
کوئی جمشید خاں ہے کوئی سعید
"میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی"

نفع خوری کی کوئی حد ہی نہیں ہے شاہد
لوگ اِک لمحے میں ایمان بدل دیتے ہیں
اب مُسلمان کا یہ اندازِ مُسلمانی ہے
”خود بدلتے نہیں، قُرآن بدل دیتے ہیں“

ہوں سول ہسپتال میں داخل
آشنا صحت آشنا نہ ہوا
لڑ گئی آنکھ ایک سسٹر سے
"میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا"

سببِ عظمتِ میخانہ یہی ہے شاہد
تھے جو مے خوار، دمِ بادہ کشی ایک ہوتے
کیا یہ کم ہے ترا اظہارِ توجّہ ساقی
"تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوتے"

بزم میں اُن کو دیکھ لینے کی
"کوئی اُمیّد بر نہیں آتی"
یہ اندھیرا ہے یا کوئی اندھیر
"کوئی صورت نظر نہیں آتی"

گرہ میں مال ہو جس کے، ہے عشق اُس پہ حلال
بجا ہے صاحبِ دولت نیاز و ناز کرے
کسی عفیفہ سے تم بھی نکاح کر لینا
"کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے"

کیا قیامت قریب آ پہنچی
او منی بس میں شور سا کیا ہے
آدمی ہیں، یہ مرغیاں تو نہیں
"پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے"

نشّے میں اُٹھ سکے گا نہ بارِ گرانِ عقل
اچھّا نہیں ہے دِل کے لئے اِمتحانِ عقل
جانا ہے میکدے کو، تو پی اے کو ساتھ رکھ
"لازم ہے دِل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل"

جب ہو یکطرفہ گفتگو شاہد
کیا بیاں مدّعا کرے کوئی
چشمِ بد دور، وہ تو بہری ہیں
"وہ کہیں اور سنا کرے کوئی"

آہ دِل سے چلی، ہونٹوں پہ رُکی ہے آکر
جیسے ہو تیر کماں سے کوئی چلنے کے لیے
تھرتھراتے ہیں یہ آنسو سرِ مژگاں جیسے
"نغمے بے تاب ہوں تاروں سے نکلنے کے لیے"

ایک شادی سے میں تو بھر پایا
دوسری کا مجھے خیال کہاں
عقدِ ثالث جنابِ شیخ کریں
"میں کہاں اور یہ وبال کہاں"

یہ دور، نیا دور ہے، تہذیب نئی ہے
تم عقل پہ پردہ رُخِ روشن کا گرا دو
ماں باپ کا رشتہ ہو کہ سُنّت زن و شو کی
"جو نقشِ کُہن تم کو نظر آئے مِٹا دو"

سچ کہتا ہوں، کپڑوں کو یہ دھوتا ہے بہت صاف
دیکھو نہ اُٹھانا کبھی تم "سرف" پہ انگشت
میں جھاگ پہ لکھتا ہوں محبّت کا فسانہ
"تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت"

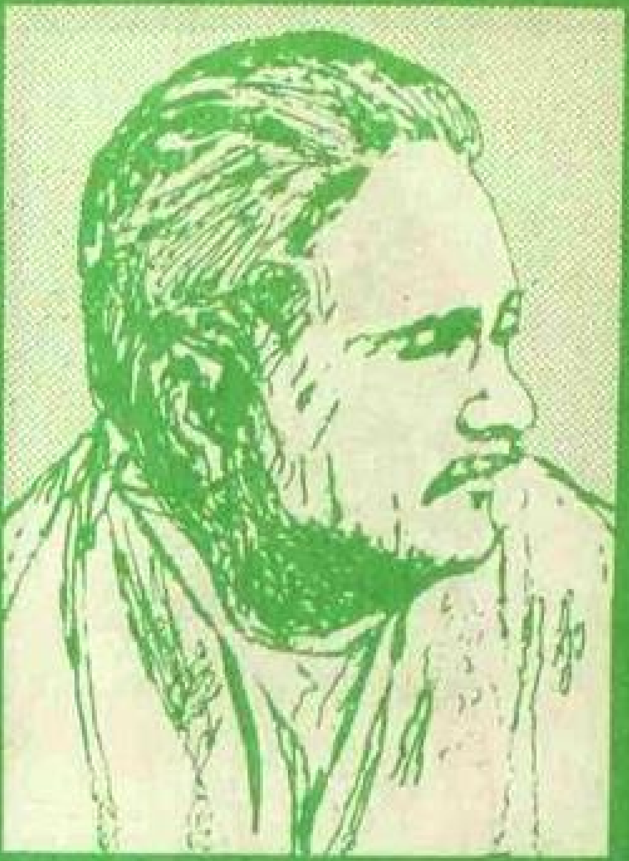

دُنیا تے سیاست میں لیڈر جو پُرانے ہیں
دانستہ کبھی اُن سے ہوتی نہیں کوتاہی
سب دیتے ہیں ووٹ اُن کو نوٹوں کی تمنّا میں
"اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی"

سٹھیا گیا ہوں میں، کسی قابل نہیں رہا
موجوں کے واسطے مرا ساحل نہیں رہا
مانا کہ اپنے آپ سے غافل رہا ہوں میں
"لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا"

حذر کیا نہ کبھی ہم نے عیش و عشرت سے
نصیبِ وصل کا ساماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
مگر یہ بات "سرِ بزم ہم بھی کہتے ہیں
"دل و نگاہ مسلماں نہیں، تو کچھ بھی نہیں"

کے آرڈی سی ایک قیامت سے کم نہیں
عقدہ یہ روز کھلتا ہے اخبار دیکھ کر
کیا چال ہے کہ جیسے شرابی نشے میں دُھت
"لرزے ہے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر"

تسبیح و مُصلّی سے بھی تھا ربطِ خصوصی
اوڑھے تھی تقدّس کا لبادہ بھی جوانی
میخانے میں پکڑے گئے اِک رات بالآخر
"تھی رِند سے زاہد کی، مُلاقات پُرانی"

بنتے ہوتے ہیں سِول ہسپتال لاکھوں گھر
نشاطِ دِل نہیں بیوی کو ئی میاں کے لیے
بسر ہوئی غمِ اہل و عیال میں اپنی
"بنا ہے عیش تجمّل حُسین خاں کے لیے"

یہ میکدہ ہے، سخاوت سے کام لے ساقی
ہمارے ہاتھ میں خالی ہے جام، لے ساقی
نشے میں دُھت ہیں جو میکش اُنہیں سنبھال ذرا
"مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی"

تحفہ

ہونٹوں سے اپنے جام لگا کر دیا ہمیں
اُس نے مِلا کے زہر پلا یا شراب میں
مَطلب یہ ہے کہ سوتا رہوں حشر تک یونہی
"آنے کا عہد کر گئے آئے جو خُواب میں"

کہتے ہیں کہ ہر صُوبے کو اِک مُلک بناؤ
واللہ یہ کم بختوں نے کیا خوب اُڑائی
جو عقل کے دُشمن ہیں" کہو اُن سے یہ شاہد
"قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جُدائی"

اب گلے میں نہ سوز ہے نہ گداز
سرِ محفل ہے پھر بھی نغمہ طراز
کہہ رہا ہے گلا پھلا کے کوئی
"میں ہوں اپنی شکست کی آواز"

کیا کہیں، اپنی یہ عادت ہے نرالی سب سے
سامنے ہو کوئی مجبور، تو مغرور رہیں ہم
سر جھکا لیتے ہیں چڑھتے ہوئے سورج کے حضور
"ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم"

روس امریکہ، خلائی دوڑ میں ہیں پیش پیش
گُل کھلائے گی یہ اُن کی بم پرستی ایک دن
ایک دن دونوں کو بربادی کا ہوگا سامنا
"اِس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن"

بدل گیا ہے تمدّن، بدل گئی تہذیب
نہ اب وہ مہر علی ہے، نہ اب وہ مہ پارا
جو ماڈرن ہو، کلب جاتے، پی کے ڈانس کرے
"وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا"

پاسباں، دردِ مرا جان کے بے درد ہُوا
ایک لمحے میں وہ بُوڑھا بھی جواں مرد ہُوا
اِس قدر مار پڑی رنگ مِرا زرد ہُوا
"ضُعف سے گریہ مُبدّل بہ دمِ سرد ہُوا"

ہُنر آتا ہے جانِ من تجھے تحصیلِ دولت کا
تو مُہرہ ہے سیاست کا، تو ماہر ہے تجارت کا
نظر رہتی ہے تیری کس لیے جوتوں پہ مسجد میں
"لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی اِمامت کا"

سُننے والا ایک بھی تو اب نہیں رُودادِ غم
کیا بتاؤں میں، دلِ بیتاب کس مشکل میں ہے
باریابِ محفلِ جاناں نہیں شاھد تو کیا
"ذِکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے"

پچھُ شاعرِ خود بیں کہ ہیں مادر پدر آزاد
کیا کیا نہیں کرتے ادب و شعر پہ بیداد
ہے فکر الگ سب کی، وہ نتھّو ہوں کہ خیرا
"ہر چند کہ ایجادِ معانی ہے خُداداد"

شاہد الوری کے تین سنجیدہ مجموعۂ کلام

سُخن در سُخن

(سات اشعار پر مشتمل غالب کے مصرعوں پر تضمینی قطعات)

ہر قطعہ پر پاکستان کے معروف ناقدین کا تبصرہ

چوتھا ایڈیشن زیر طبع

حمد و ثناء

ربّ العالمین اور رحمت العالمینؐ کے حضور نذرانۂ عقیدت

تیسرا ایڈیشن زیر طبع

چراغ سے چراغ

میرزا غالب کے مصرعوں پر تضمینی قطعات کا مجموعہ

دوسرا ایڈیشن زیر طبع

شاہد الوری کے ففٹی ففٹی کے علاوہ دو مزید طنزیہ مزاحیہ مجموعے

عکس در عکس

میرزا غالب کے سو اشعار کی طنزیہ مزاحیہ تشطیر پر مشتمل مجموعہ

(زیر طبع)

چھکّے ہی چھکّے

طنزیہ مزاحیہ غزلیں

(زیر طبع)

ناشر: مکتبہ الانصار ایف/۶۶۹ - کورنگی ٹاؤن - کراچی ۳۱ فون: ۳۱۰۸۱۱

1685

جناب شاہد الوری صاحب موجودہ دور کے اُن قابلِ قدر شعراء میں سے ایک ہیں، جنہوں نے طنز و مزاح گوئی کو سنجیدگی سے شعار کیا ہے اور ظرافت کی چاندنی کو عام کرنے میں بھرپور حصّہ لیا ہے۔ ایک بے ساختہ اُپج کے ساتھ۔ شگفتگی اور بشاشت کی تازہ کاری اُن کے فن کی مخصوص چھاپ ہے۔ "ففٹی ففٹی" اِس کشتِ زعفران کے پھولوں کی رنگت اور خوشبو لیتے ہوئے یقیناً طنز و مزاح کے شعری ادب میں ایک منفرد سوغات کی حیثیت رکھتی ہے۔

سیّد ضمیر جعفری ـ اسلام آباد

شاہد الوری ہمہ صفت موصوف ہیں۔ اِن کی بے چین طبیعت اِن کو تخلیق و تضمین کے نئے نئے راستے سجھاتی رہتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ دائیں ہاتھ میں "دیوانِ غالب" اور بائیں ہاتھ میں "کلیاتِ اقبال" لیے، ان دونوں کے وزن اور توازن کے سہارے، پُلِ صراط سے گزر رہے ہیں۔
تضمین "تخلیقِ مکرّر" کا فن ہے، سو شاہد نے غالب اور اقبال کے بعض معروف مصرعوں کو دوبارا "نئے معانی کے ساتھ" لکھا ہے۔ یوں تو سیّد محمد جعفری کے بعد وہ دوسرے شاعر ہیں، جنہوں نے فکر و فلسفہ کی شاعری کو طنز و مزاح کے لئے استعمال کیا ہے مگر جس وضعداری و راستواری کے ساتھ انہوں نے غالب اور اقبال کو پکڑا اور جکڑا ہے، وہ انہیں اوّلیت کا اعزاز دلانے کے لیے کافی ہے۔
"ففٹی ففٹی" میں آدھی تضمین غالب کے مصرعوں پر اور آدھی اقبال کے مصرعوں پر ہیں۔ مگر اس کتاب میں مجموعی طور پر شاہد کا کلام بقدر تین چوتھائی اور غالب و اقبال کا ایک چوتھائی ہے یعنی شاہد کا کلام غالب ہے اور یہی ان کی اقبال مندی کی دلیل ہے۔

شبنم رومانی ـــ کراچی

میرے خیال میں طنز و مزاح لکھنا، تلوار کی تیز دھار پر رقص کرتے ہوئے پُلِ صراط پر سے گزرنا ہے۔ نظیر اکبر آبادی، اکبر الہ آبادی، مجید لاہوری، ظریف جبلپوری، سیّد محمد جعفری، دلاور فگار اور ضمیر جعفری ایسے ہی معروف فنکار ہیں جو طنز و مزاح کی تلوار پر پوری مہارت سے رقص کرنا جانتے ہیں۔ انہی فنکاروں میں شاہد الوری کی شمولیت خوش آئند بھی ہے اور خوشگوار اضافہ بھی۔ اکبر، مجید، ظریف، جعفری، فگار اور ضمیر نے اپنی نظموں اور غزلوں میں کہیں کہیں غالب و اقبال کے مصرعے تضمین کیے ہیں۔ مگر شاہد الوری وہ واحد شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کی اساس اور مرکزی نقطہ غالب ہی کے مصرعوں کو مقرر کیا ہے اور اُن کے مصرعے نہایت چابکدستی سے تضمین کیے ہیں۔ موجودہ کتاب "ففٹی ففٹی" میں اُنہوں نے غالب کے ساتھ ساتھ اقبال کے مصرعوں پر بھی کامیاب تضمین کی ہے اور اِس خوبی کے ساتھ کہ اقبال کی فکر اور فلسفہ کا وقار بھی اپنی جگہ قائم رہا ہے۔ جس کے لیے وہ بلاشبہ داد کے مستحق ہیں۔

کلیم نشتر ـــ لاہور

"ففٹی ففٹی" سو قطعات کا مجموعہ ہے، جس میں غالب اور اقبال کے پچاس پچاس مصرعے تضمین کیے گئے ہیں۔ اس پر ہم سے رائے کی فرمائش کی گئی ہے اور ہم اِس سوچ میں ہیں کہ ہم نہ تو شاعر ہیں اور نہ سخن شناس۔ حد تو یہ ہے کہ ہم کسی یونیورسٹی یا کالج میں اردو کے اُستاد بھی نہیں کہ اور کچھ نہ سہی تو اپنے شاگردوں میں ہی شاہد صاحب کی "مشہوری" کرا سکیں۔ البتہ ہم اُن کے احباب میں ضرور شامل ہیں اور شاہد صاحب کی فراخ دلی یہ ہے کہ جب وہ کوئی ادبی معرکہ سر کرتے ہیں تو اکیلے نہیں چلتے بلکہ ہم جیسے تہی دامن دوستوں کو بھی کسی نہ کسی بہانے ساتھ لے لیتے ہیں۔
قبولِ عام کامیابی کی سب سے بڑی سند ہے۔ ہم نے شاہد الوری کو بڑے بڑے مشاعرے لوٹتے دیکھا ہے اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ مختصر سی مدت میں اُن کا یہ چوتھا مجموعہ ہے جو زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہا ہے۔ یہ ایسی منہ بولتی حقیقتیں ہیں جو اُن کی کامیاب شاعری کا ہم جیسے ہما شما کی کسی بھی توصیفی تحریر سے زیادہ وزنی ثبوت ہیں۔

صبیح محسن ـــ اسلام آباد